آئینہ

(پیام شاہجہان پوری)

تقاضے پبلی کیشنز این/۲۳ عوامی فلیٹس
ریواز گارڈن لاہور (۵۴۰۰۰)

مصنف و ناشر	پیامؔ شاہجہان پوری
طابع	شاکر حسین
مطبع	صریر خامہ پرنٹنگ پریس ایبٹ روڈ لاہور
مقام اشاعت	این ر ۲۳ عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور
تاریخ اشاعت	
(بار اول)	جولائی ۱۹۹۱ء

تقاضے پبلی کیشنز - این ۲۳ عوامی فلیٹس
ریواز گارڈن لاہور (54000)
(ٹیلی فون نمبر- 322313)

انتساب

اس "کسان" کے نام جو زہر کی فصل بو کر خود تو خاک میں مل گیا مگر اس کی بوئی ہوئی فصل ساری قوم آج تک کاٹ رہی ہے اور معلوم نہیں کب تک کٹتی رہے گی۔

خونِ حسینؓ کی قسم ہم بھی اُسی فضا میں ہیں
پہلے بھی کربلا میں تھے ' آج بھی کربلا میں ہیں

(پیامؔ شاہجہان پوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

ہمارے ملک خصوصا" سندھ اور پنجاب میں لوٹ مار ' قتل وغارت گری ' حرام کاری و حرام خوری اور شہریوں کی آبروریزی کا جو خوفناک سیلاب آیا ہوا ہے ' پاکستان کی گزشتہ چوالیس سالہ تاریخ اس کی ہولناکیوں کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آگئی ہے۔ لوگ خود کو اپنے گھروں میں غیر محفوظ پا رہے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ملک پر غنڈوں اور بدمعاشوں کی حکومت ہے ۔ پاکستان کا ہر باشعور اور حسّاس شہری اس صورت حال کی وجہ سے سخت مضطرب ہے ۔ شاعر چونکہ سب سے زیادہ

حسّاس ہوتا ہے اس لئے اس قسم کے ہولناک واقعات سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ جو شاعر اپنے ماحول اور اردگرد سے آنکھیں بند کرلیتا ہے اور اپنے قلم کو جنبش نہیں دیتا وہ یا تو بے شعور ہے یا ارباب اقتدار کے ہاتھ بک چکا ہے۔ ایسے شاعر اور ادیب ملک و قوم کے غدار اور قومی مجرم ہیں جنہیں تاریخ ہرگز معاف نہیں کرے گی۔

یہ گنہگار (پیام احمد خاں) بھی شاعر ہے اس لئے مظلوموں کی آہ و زاری اور مقتولوں کے خون کی ارزانی نے اس کے دل و دماغ میں زلزلہ سا برپا کردیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے کسی تکلف کے بغیر اپنی نظم "آئینہ" میں برملا بیان کردیا کیونکہ میں "[illegible]" مصلحتوں کا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے یہ نظم لاہور کے ایک بڑے اخبار کے مالک کو براہ راست ارسال کی مگر اس نے اس خطرے کے پیش نظر شائع کرنے سے انکار کردیا کہ اس کے سرکاری اشتہارات بند ہوجائیں گے اور اسے حکومت سے جو دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان سے محروم ہوجائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ ہے ہماری باضمیر صحافت؟ مجبوراً یہ نظم (آئینہ) اسی نوعیت کی کچھ اور نظموں کے ساتھ خود شائع کررہا ہوں۔ میری مظلوم قوم کی طرف سے یہ مجھ پر قرض تھا جسے اتارنا میرا فرض تھا سو الحمد للہ کہ آج اس فرض سے کسی حد تک سبکدوش ہو رہا ہوں۔

ممنوں ہوں ملک کے ممتاز شاعر و ادیب اور دانشور حضرت احمد ندیم قاسمی کا جو میرے دیرینہ کرم فرما اور محسن بھی ہیں کہ موصوف نے اپنی علالت اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس مجموعۂ نظم کے مطالعے پر اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور اس کا دیباچہ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

پیام احمد خاں پیام
(شاہجہان پوری)
23 N / عوامی فلیٹس
ریواز گارڈن لاہور
فون نمبر 322313

یکم محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
۱۴ جولائی ۱۹۹۱ء

گل جامہ چاک ، شعلہ بداماں کلی کلی
فصلِ بہار یہ ہے تو اس سے خزاں بھلی

(پیامؔ شاہجہان پوری)

تاثرات

(جنابِ احمد ندیمؔ قاسمی)

پیامؔ شاہجہانپوری جس حیرت انگیز استقامت کے ساتھ دورِ آمریت میں جبرو ستم کے کارندوں کو مسلسل للکارتے رہے ہیں، اس کی کوئی مثال مشکل ہی سے دستیاب ہو گی۔ یقیناً" شعر و ادب اور علم و ہنر کی دنیا میں مزاحمت اور احتجاج کی کمی نہیں رہی مگر پیامؔ کی کوئی مثال لانا اس لیے دشوار ہے کہ وہ مکمل بے سرو سامانی کے عالم میں بیک وقت دو محاذوں پر آمریت سے نبرد آزما رہے ہیں۔ ایک محاذ صحافت کا تھا اور دوسرا شعرو ادب کا۔ جن لوگوں نے "تقاضے" کے اداریے پڑھے ہیں وہ مجھ سے متفق ہوں گے کہ ماضی میں اس حوصلہ مندی اور جرات مندی کی واحد مثال مولانا ظفر علی خاں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولانا غیر ملکی استعمار و استبداد سے پنجہ آزما رہے مگر پیامؔ نے خود

اپنے ہم وطن آمروں اور ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا اعلان کیا۔ انھوں نے درست کہا ہے کہ:

جنسِ ارزاں ہوں مگر پھر بھی خریدا نہ گیا
جیب خالی ہے مگر سچ کے گھر رکھتا ہوں

"آئینہ" میں انھوں نے اپنی مزاحمتی اور احتجاجی شاعری کو جمع کر دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ "تقاضے" کے اداریوں کا بھی ایک مجموعہ مرتب کر دیں تاکہ ہماری دنیائے صحافت میں ایک اور مینارۂ نور کا اضافہ ہو جائے۔

میری رائے میں اس مجموعے کا نام "آئینہ" کی بجائے "آشوب" ہونا چاہیئے تھا کہ ان اشعار میں اہلِ ستم کو صرف آئینہ ہی نہیں دکھایا گیا ہے بلکہ ان کے جبر کے نتائج پر سے بھی پردہ ہٹایا گیا ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ بعض سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ آشوب نام کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان اشعار میں پیامؔ نے سیاسی اور تاریخی لحاظ سے ایک باخبر اور باشعور دانش ور ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے:

میں نہ ملہم ہوں، نہ پیغمبر، نہ سجادہ نشیں
صورتِ حالات پر تھوڑی سی رکھتا ہوں نظر

پیامؔ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ "تھوڑی سی نظر" کی بجائے صورتِ حالات پر بھرپور نظر رکھتے ہیں اور "آئینہ" اس کا ثبوت ہے۔

"آئینہ" میں ایک تقابلی کیفیت شروع سے آخر تک کار فرما ہے۔ شاید اس لیے کہ تقابل ہی سے حق و باطل کی تمیز ممکن ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ شہروں کی بے چراغ گلیوں کے مقابلے میں محلوں میں چراغاں کا سماں ہے اور اگر گھروں، سڑکوں اور گلیوں میں بے گور و کفن لاشیں بکھری ہوئی ہیں تو ادھر گورکن ایوانِ اقتدار میں منتقل ہو چکے ہیں۔ قانون جس کی گرفت سب کے لئے مساوی ہونی چاہئے لاقانونیت کے ہاں اسیر ہے کہ جب قاتلانِ شہر کو قانون پناہ دینے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی ہے۔

جب چاک گریبانی عام ہو، اہلِ قلم کو نیلام پر چڑھا دیا گیا ہو، شرفا کی آبرو لٹ رہی ہو، جاگیرداروں اور زمینداروں کو دہقان کے شب و روز سنوارنے کی بجائے صرف "دخترِ دہقاں" سے دلچسپی ہو، وہ شہر جو امن و آشتی کی علامتیں تھے، خون میں نہا گئے ہوں، انصاف کی دہائی دینے والے پسِ زنداں پڑے ہوں،

ایمان کفر کے نرغے میں چلا گیا ہو اور اصحابِ علم و ہنر کی مٹی خراب ہو رہی ہو تو پیامؔ کو اس طرح کے اعلان سے کوئی قوت نہیں روک سکتی کہ جبرِ مسلسل کا انجام ہمیشہ بہت ہولناک ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس انتباہ کو بھی بغاوت قرار دے دیا جائے۔

"آئینہ" میں جہاں جہاں شاعر پیامؔ بیدار ہوتا ہے، اسے جو مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں وہ اس آشوب میں اضافے ہی کا موجب بنتے ہیں۔ مثلاً" وہ طیور کو دیکھتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ طیور تو سرِ شام اپنے نشیمنوں میں واپس آتے ہیں مگر یہ کس طوفان کے آثار ہیں کہ پرندے شام کے وقت اپنے آشیانوں میں سے پھڑ پھڑا کر اڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ رنگ و بو کی جستجو میں بہار کا جائزہ لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ در اصل خزاں رنگ و بو کا نقاب اوڑھے آئی ہے اور شاخِ گل جب شبنم کے لیے دستِ سوال پھیلاتی ہے تو شاعر دیکھتا ہے کہ شبنم کا رخ تو بیابانوں کی طرف ہے۔

ان حالات میں زندہ رہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔

اسی لیے پیامؔ یہ کہہ کر اہلِ نظر سے داد چاہتے ہیں کہ:

وہ تو فرہاد تھا جو تابِ ستم لا نہ سکا
آؤ! اس شہرِ ستم میں ہمیں زندہ دیکھو

میں پیامؔ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حالات میں غیرت مندی سے زندہ رہنا بہت بڑا اعزاز ہے اور انھیں یہ اعزاز حاصل ہو چکا ہے، ان کی طرح یہ ان سب اہلِ قلم اور مظلوم طبقوں کا اعزاز ہے جو دورِ آمریت کی آزمائشوں میں سے گزرے، ثابت قدم رہے اور ثابت قدم ہیں۔

احمد ندیمؔ قاسمی
۲۰۔ جولائی ۱۹۹۱ء

سر ہے اگر عزیز تو مت آیئے ادھر
دیوارِ شہر پر ہے یہ کتبہ لگا ہوا

(پیام شاہجہان پوری)

وحشت وہی ہے، خارِ بیاباں اُسی طرح
پھرتے ہیں لوگ چاک گریباں اُسی طرح

مفلس کا گھر ہے آج بھی بے فرش و بے چراغ
محلوں میں ہو رہا ہے چراغاں اُسی طرح

ایوانِ اقتدار میں بیٹھے ہیں گورکن
لاشے پڑے ہیں شہر میں عریاں اُسی طرح

نیلام ہو رہے ہیں قلم انگلیوں سمیت
اہلِ قلم کی جنس ہے ارزاں اُسی طرح

دن رات لُٹ رہی ہے شریفوں کی آبرو
انسانیت ہے سر بہ گریباں اُسی طرح

کھلیان میں پھر آ کے زمیندار چھپ گیا
سہمی ہوئی ہے دخترِ دہقاں اُسی طرح

بیٹھی تھی جس پہ فاختہ وہ پیڑ کٹ گیا
ہے شہرِ امن خون میں غلطاں اُسی طرح

فتویٰ فروش پھر سرِ بازار آ گئے
نرغے میں کفر کے ہے پھر ایماں اُسی طرح

پھر قیس روٹھ کر کسی صحرا چلا گیا
ویراں پڑا ہے شہرِ غزالاں اُسی طرح

پھر آ گئی ہے چادرِ گل اوڑھ کر خزاں
پھر کھا گئے فریبِ بہاراں اُسی طرح

قانون کی پناہ میں ہیں قاتلانِ شہر
انصاف قید ہے پسِ زنداں اُسی طرح

ہر صبح - کربلا کی اذیت لیے ہوئے
ہر شام - مثلِ شامِ غریباں اُسی طرح

ہر شاخِ گل ہے دستِ سوالی مگر پیام !
شبنم کا رخ ہے سوئے بیاباں اُسی طرح

○

مت سمجھو کہ ہے شہر کی دیوار بہت سخت
سیلاب کی یلغار ہے اس بار بہت سخت

ہر چارہ گرِ شہر کے شیشوں میں ہے زہرآب
بیمار کو لاحق ادھر آزار بہت سخت

فرہاد کا خون اب تو نہر[1] بن کے بہے گا
تیشہ بھی بہت کُند ہے، کہسار بہت سخت

---

[1] اردو میں لفظ "نہر" کی "ہ" کو عام طور پر ساکن استعمال کیا جاتا ہے مگر "نہر" عربی زبان کا لفظ ہے اور "ہ" پر زبر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے چنانچہ سورہ "البقر" میں متحرک استعمال ہوا ہے اس لئے مندرجہ بالا مصرع میں مذکورہ لفظ کو عربی تلفظ کے مطابق استعمال کیا گیا ہے (پیامؔ)

اب گردنیں بچ جائیں تو اک معجزہ ہوگا
تلواریں بھی خمدار ہیں اور دھار بہت سخت

ملاحوں کو خوش فہمی ہے تیراک ہیں ہم تو
مت بھولیں، ہوا کرتی ہے منجدھار بہت سخت

اڑنے لگے طائر بھی نشیمن سے سر شام
اس بار ہیں طوفان کے آثار بہت سخت

مظلوم بپھر جائیں تو کہسار بھی کیا چیز
گو آہنی دروازہ تھا ' دیوار بہت سخت

دیوانے کہاں رُکتے ہیں روکے سے کسی کے
ہر چند کہ تھی وادیء پر خار بہت سخت

میخانے میں آ بیٹھے ہیں یاران طریقت
تھی واعظِ کم ظرف کی گفتار بہت سخت

مجھ کو یہ شکایت کہ نہیں ساز میں آہنگ
مُطرب کو شکایت ' مرے اشعار بہت سخت

وہ تو فرہاد تھا جو تابِ ستم لا نہ سکا
آؤ! اس شہرِ ستم میں ہمیں زندہ دیکھو

(پیام شاہجہان پوری)

اثاثہ

مال رکھتا ہوں تجوری میں، نہ زر رکھتا ہوں
دوش پر سر ہے، اسے وقفِ تبر رکھتا ہوں

اپنا اندازِ سخن سب سے جدا ہے لوگو!
ہاتھ سینے پہ، زمانے پہ نظر رکھتا ہوں

جنسِ ارزاں ہوں مگر پھر بھی خریدا نہ گیا
جیب خالی ہے مگر سچ کے گہر رکھتا ہوں

دستِ افلاس میں بس ایک قلم ہے لیکن
حاکمِ شہر سمجھتا ہے تبرّ رکھتا ہوں

مجھ کو کمھلائے سے چہروں پہ بھی پیار آتا ہے
صرف آنکھیں ہی نہیں حسنِ نظر رکھتا ہوں

بھول جانا نہ یہ مقتل کو سجانے والو!
سر تو رکھتا ہوں مگر ساتھ تبرّ رکھتا ہوں

قفلِ در دیکھ کے واپس نہ چلی جائیں پیامؔ!
یوں بلاؤں کے لئے کھول کے در رکھتا ہوں

پیش بینی

جابرو! جبرِ مسلسل کا نتیجہ دیکھو
اپنے جسموں کو صلیبوں پہ لٹکتا دیکھو

تم نے انسان کی حرمت کو کیا ہے پامال
اپنی لاشوں پہ درندوں کو جھپٹتا دیکھو

اپنے ہاتھوں سے بہایا تھا جو خونِ ناحق
اب اسی خون کا چڑھتا ہوا دریا دیکھو

اپنے ہمسایہ کے گھر آگ لگا کر خوش تھے
اپنا گھر جلنے کا اب خود ہی تماشہ دیکھو

ہم نہ کہتے تھے کہ مظلوموں کی آہیں مت لو
اپنے ایوانوں کو اب ان سے لرزتا دیکھو

اب گیا وقت اذانون کا ' اذانیں مت دو
اب قیامت کی اذانوں کا تماشہ دیکھو

وہ تو فرہاد تھا جو تابِ ستم لا نہ سکا
آؤ ! اس شہرِ ستم میں ہمیں زندہ دیکھو

یوں تو ہے شاعرِ بد نام پیامؔ احمد خاں
اس کے اشعار میں آئینۂ فردا دیکھو

○

قافلہ سالار؟

حشر برپا تھا کہ دوڑو! کارواں لوٹے گئے
طفل و زن مارے گئے' پیر و جواں لوٹے گئے
صبح دم اک نوجواں نے راہزن کو جا لیا
جب نقاب اُلٹا تو دیکھا قافلہ سالار تھا

○

بے فکر نہ ہو باغ کے معصوم پرندو !
ہر شاخ سے آتی ہے مجھے سانپ کی پھنکار

(پیام شاہجہان پوری)

اپنے گرد و پیش پر جب ڈالتا ہوں اک نظر
دل لرز اٹھتا ہے اپنی قوم کے انجام پر

ایک شاعر کی متاعِ زندگانی ہے یہی
قلبِ نازک ، شدتِ احساس ، اشکوں کے گہر

یہ فقط آنسو نہیں حالات کا آئینہ ہیں
چشمِ بینا ہو تو اس میں آئے گا سب کچھ نظر

صاحبِ علم وہنر کی ہر جگہ مٹی خراب
مسندِ عزت پہ آ بیٹھے ہیں بے علم وہنر

ہو گیا ہے شیخ بھی کوتاہ بیں اس کا ہے رنج
برہمن تو پہلے ہی تھا کم نگاہ و کم نظر

گھل رہا ہے فکرِ اہلِ شہر میں مفتیٔ شہر
اپنے حالِ زار سے رہتا ہے لیکن بے خبر

حامیٔ مزدور ہو یا سنگ دل سرمایہ دار
درد مندی سے تہی دونوں کے ہیں قلب و جگر

ہم تو اہلِ میکدہ ہیں، رند ہیں، بدنام ہیں
جبّہ و دستار پر آتے ہیں کیوں چھینٹے نظر

رقص و موسیقی، نمائش حسن وملبوسات کی
یہ مداوا تو نہیں اس درد کا اے چارہ گر

میں نہ ملہم ہوں، نہ پیغمبر، نہ سجّادہ نشیں
صورتِ حالات پر تھوڑی سی رکھتا ہوں نظر

اک اشارہ کر رہا ہوں ان جوانوں کے لئے
جن کے سینوں میں ہیں باقی آگہی کے کچھ شرر

کارواں کے ہیں اگر اجزائے ترکیبی یہی
ساتھیو ! اب بھی اگر بدلا نہ آئینِ سفر

عنقریب اس راہ میں وہ سخت طوفاں آئے گا
جو بھی اس کی زد میں آیا خاک میں مل جائے گا

(اگست ۱۹۸۲ء)

(منقول از پندرہ روزہ "تقاضے" لاہور جلد ۲ شمارہ ۲۰)

پسِ آئینہ

اس مجموعے کی آخری چار نظمیں محترم احمد ندیم قاسمی صاحب کا دیباچہ تحریر ہونے کے بعد شامل اشاعت کی گئی ہیں۔ یہ وضاحت اس لئے کرنی پڑی کہ اگر ان میں کوئی خامی ہو تو اس کی ذمہ داری جنابِ قاسمی پر عائد نہ ہو۔ (پیام)

وہ نغمہ تو افیون ہے اے بزم نشینو!
جس نغمے میں شامل نہ ہو زنجیر کی جھنکار

(پیامؔ شاہجہان پوری)

فریبِ آزادی

غربت و ذلّت و افلاس کے سائے لے کر
ساحلِ ہند پہ قزّاق نمودار ہوئے

ہر طرف صحنِ گلستاں میں غبار اڑنے لگا
صورتِ دشتِ بلا کوچہ و بازار ہوئے

○

ظلم کے دیو نے ہر سمت علم کھول دیے
ہر طرف تیرہ نصیبی کے وہ بادل چھائے

ماؤں کی گود میں معصوموں نے دم توڑ دیا
اور شہنشاہ کی آنکھوں میں نہ آنسو آئے

○

تابہ کے جبر و تشدد کی سیاست چلتی
تابہ کے جھوٹ کی ٹکسال میں سِکے ڈھلتے

تابہ کے بھوک کا عفریت مسلط رہتا
تابہ کے چشم غریباں میں شرارے پلتے

○

آخر احساس کے ماتھے پہ شکن آ ہی گئی
چند دیوانے شہنشاہ سے ٹکرا ہی گئے

جب بپھر اٹھتے ہیں مظلوم ' بلا ہوتے ہیں
آخر ایوانِ حکومت میں شگاف آ ہی گئے

○

ملک آزاد ہوا تاجِ شہنشاہی سے !
زندہ باد اہل وطن! اب تو وطن اپنا ہے

پھول اپنا ہے ' کلی اپنی، صبا اپنی ہے
نونہالان چمن ! سارا چمن اپنا ہے

○

لیکن اے ہم سخنو ! دیدہ ورو ! کچھ تو کہو
بات کیا ہے وہی اندازِ فغاں ہے اب بھی

وہی آہیں، وہی آنسو، وہی شعلوں کی لپک
صحن گلشن میں ہر اک سمت دھواں ہے اب بھی

○

کہیں ایسا تو نہیں پھر کوئی بھوکے قزاق
رہنماؤں کے لبادوں میں نکل آئے ہوں

وہی روباہ صفت لوگ بنامِ یزداں
اپنے چہرے، نئے چہروں سے بدل لائے ہوں

پردۂ ساز میں زنجیر غزل خواں تو نہیں؟
تم گلستاں جسے سمجھے ہو وہ زنداں تو نہیں؟

○

دعوت؟

اک ضرب شدید اور ہے اے ساتھیو! درکار
وہ خم ہوئی، دیکھو! وہ گری ظلم کی دیوار

نامرد کے ہاتھوں میں سدا بربط و مضراب
ہیں مرد کو مرغوب ہمیشہ رسن و دار

مانگے سے کسی بت نے کبھی کچھ بھی دیا ہے؟
لینا ہے تو لو پنجۂ فولاد میں تلوار

وہ نغمہ تو افیون ہے اے بزم نشینو !
جس نغمے میں شامل نہ ہو زنجیر کی جھنکار

بے فکر نہ ہو باغ کے معصوم پرندو !
ہر شاخ سے آتی ہے مجھے سانپ کی پھنکار

موسیٰؑ و حسینؓ آج بھی ہر بزم کی عظمت
فرعون و یزید آج بھی رسوا سرِ بازار

جس در سے ہوا آتی ہو بس محل نشیں کو
اس در کے مقابل پہ کوئی کھینچ دے دیوار

اس شہر کے بیمار شفا پا نہیں سکتے
جب چارہ گرِ شہر ہو خود درپئے آزار

اک حور شمائل کی صدا آتی ہے اکثر
ملنا ہے اگر مجھ سے تو آ جاؤ سرِدار

بجھے بجھے سے یہ چہرے، پھٹے پھٹے یہ لباس
یہی تو ہیں جو رخِ زندگی نکھاریں گے

(پیام شاہجہان پوری)

نوائے شاعر

ایک گمبھیر صدا، رات کے سناٹے میں
توڑ کر سینہ ء افلاک گزر جاتی ہے

قلبِ مظلوم کو دیتی ہے سکوں یہ آواز
قوتِ ظلم اسے سن کے بپھر جاتی ہے

○

ایک آواز جو کہتی ہے جہاں بانوں سے
نوکِ شمشیر سے تو گھاؤ نہیں بھر سکتے

شہر برباد تو کر سکتے ہیں راکٹ لیکن
قلبِ ناشاد کو یہ شاد نہیں کر سکتے

○

ایک آواز جو کہتی ہے کہ "مغرور آقاؤ!
سب کا آدم ہے وہی ' تھا جو تمہارا آدم

یہ سیہ بخت بھی بیٹے ہیں اسی آدم کے
تم نے خود چاک کیا جس کا مقدس پرچم"

○

ایک آواز جو کہتی ہے ستم رانوں سے
بادِ صرصر سے کبھی پھول نہیں کھل سکتے

امن کا راگ مناسب نہیں خونخواروں کو
آب و آتش کبھی آپس میں نہیں مل سکتے

○

ایک آواز ، محبت بھری پیاری آواز
گونجتی ہے جو سیاست کے عزا خانوں میں

ریگ زاروں پہ برستا ہوا بادل جیسے
عقل کی بات بیاں جیسے ہو دیوانوں میں

○

کفن دُزد

اقوامِ متحدہ کی سالگرہ کے لئے تحفہ

بقراطِ عہد جمع ہیں میزوں کے اردگرد
در پیش ہیں سیاستِ عالم کے مسئلے

جاری ہے ایک رکن کی تقریرِ دلپذیر
اک رکن جوڑتا ہے خیالوں کے سلسلے

○

غوّاصِ بحرِ حکمت و دانش ہیں ان میں سب
لاتے ہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے موتی نئے نئے

ہوتی ہیں روز پیش تجاویزِ نو بہ نو
پھر ان کو چاٹ جاتی ہے دیمک پڑے پڑے

بیچارے گُھل رہے ہیں غمِ کائنات میں
ہر اک کے دل میں امن کا جذبہ ہے موجزن

مینہ اس طرف برستا ہے لفظوں کا پے بہ پے
اور تیز ہو رہی ہے ادھر آتشِ چمن

زورِ بیاں بہت ہے، بڑے نکتہ رس ہیں یہ
لیکن کسی کے پاس نہیں قوتِ عمل

یوں تو ہیں جانشینِ ارسطو یہ سب مگر
اک مسئلہ بھی ان سے ہوا آج تک نہ حل

مظلوم آج بھی ہیں فلسطین کے عوام
کشمیر بحرِ خوں میں ہے غلطاں اُسی طرح

گوروں کو قتل عام کا پروانہ مل گیا
افریقیوں کا خون ہے ارزاں اُسی طرح

○

لیکن پڑے جو ضرب "بڑوں" کے مفاد پر
کر دیں ابھی زمین کا سینہ یہ چاک چاک

جنگِ خلیج ہو تو بڑے "مستعد" ہیں یہ
ہوتا ہے ایک رات میں قصّہ تمام پاک

○